سورة الواقعة

مکی ہے جس میں ۹۶ آیات ہیں

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (ترجمہ:۔جب واقع ہونے والی واقع ہوگی) ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ الواقعه قیامت کے ناموں میں سے ہے۔جیسے الصاخة‘ الطامة‘ الآزفة یہ نام اس کی عظمتِ شان کا تقاضہ کرتے ہیں۔ وقعت الواقعه کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز واقع ہوگی جس کا وقوع لازمی ہے۔جیسے حدثت الحادثة و کانت الکائنة کہا جاتا ہے۔اور کسی چیز کا واقع ہونا اس کا نازل ہونا ہے۔ضحاک نے کہا ہے کہ واقع ہونے والی صیحة ہے وہ ہے صور میں پھونکنا‘ اور بعض نے کہا کہ الواقعة بیت المقدس کا صخرہ (چٹان) ہے جو قیامت کے دن گرے گا۔کہا گیا ہے کہ اذا میں عامل اس میں بعد والا فعل ہے جیسے کہ نحو کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

(۲) لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (ترجمہ:۔اس کے وقوع میں کوئی جھوٹ نہیں ہے) کاذبة کا لفظ عاقبة کی طرح مصدر ہے۔اس کے معنی ہیں کذب (جھوٹ) زجاج نے کہا ہے کہ اسکا مطلب ہے کہ اُسے کوئی شئے ٹال نہیں سکے گی۔جیسے کہ آپ کہیں کہ میں نے اسے محمول کیا ہے کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکتا۔یعنی میرے محمول کرنے کو کوئی چیز رد نہیں کرسکتی۔اور اس نے کہا ہے کہ کاذبہ مصدر ہے جیسے عافاہ الله عافية .عاقبه عاقبة ۔اسی طرح کذب‘ کاذبة ہے۔یہ اسماء مصدر کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اسی قبیل سے فهل تری لهم من باقية(الحاقة ۸) کا ارشاد ربانی ہے۔اس میں باقية بقاء کے معنی میں ہے۔اور فراء نے کہا ہے کہ لیس لوقعتها کاذبة کے معنی ہیں کہ اس کو رد کرنے والا کوئی نہیں ہے۔اس تقدیر پر یہ مصدری ہوگا۔کسائی نے کہا ہے کہ لیس لها تکذیب یعنی کسی ایک کو اس کی تکذیب زیب نہیں دیتی۔صاحب کشاف نے کہا ہے کہ یہ لفظ (کاذبة) پوشیدہ لفظ کی صفت ہے اور وہ ہے نفس کاذبة۔ یعنی جس وقت واقع ہونے والی واقع ہوگی تو کوئی بھی شخص اللہ پر جھوٹ نہیں باندھ سکے گا۔اس لئے کہ اس پر ہر نفس ماننے اور تصدیق کرنے والا ہوگا۔اور یہ اللہ اس کے اس ارشاد فلما راؤا باسنا قالوا امنا بالله وحده (المومن ۸۴) کی طرح ہے۔وہ اس وقت تک اس سے مامون نہیں رہیں گے جب تک عذاب الیم کو ٹالا نہ جائے۔اسی طرح ارشاد ربانی ہے ولا یزال الذین کفروا فی مرية منه حتیٰ تاتيهم الساعة(الحج ۵۵) صاحب کشاف کا قول پہلے کے دونوں اقوال سے بہتر ہے۔صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اذا کو نصب لیس کی وجہ سے دی گئی۔جیسے آپ کہتے ہیں کہ یوم الجمعة لیس لی شغل۔یا محذوف کی وجہ سے یعنی اذا وقعت کا ن کیت و کیت یا لفظ ’’اذکر‘‘ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے۔ابوالحیان اندلسی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اذا کو لیس کی وجہ سے نصب دینا ایسا معاملہ ہے جس کی طرف کوئی بھی نحوی نہیں گیا ہے۔نہ ہی صنعت اعراب کا کوئی شناور اس طرف گیا ہے۔اس لئے کہ لیس نفی میں

''ما'' کی طرح ہے اور ما عمل نہیں کرتا۔ اسی طرح یہاں بھی لیس کوئی عمل نہیں کرے گا۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ لیس حدوث اور زمان اور قول پر دلالت نہیں کرتا۔ اس طرح کہ وہ مجازی طور پر فعل ہو۔ کیونکہ حد فعل اس پر منطبق نہیں ہوتی۔ اور ظرف میں عامل وہ ہوتا ہے جو حدوث سے واقع ہو۔ پس جب آپ کہیں گے یوم الجمعه اقوم تو قیام جمعہ میں واقع ہونا۔ اور لیس کے لئے حدث نہیں ہے تو کیونکر اس کا ظرف میں عمل ہوسکتا ہے۔ اور جس مثال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے وہ ہے یوم الجمعه لیس لی شغل یہ مثال اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ یوم الجمعه کا لفظ لیس کی وجہ سے منصوب ہے۔ بلکہ وہ تو لیس کی جز میں عامل کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ جار اور مجرور ہے۔ پس یہ لیس پر خبر معمول کو مقدم کرنے کی قسم میں سے ہے اور اس کی تقدیم اس بات پر مبنی ہے کہ لیس کی خبر کو مقدم کرنا جائز سمجھا جائے گا۔ دراصل یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ عربوں سے قائماً لیس زید نہیں سنا گیا ہے۔ اور لیس صرف محکوم علیہ سے خبر کے حکم کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ ما کی طرح ہی ہے لیکن جب ان کے ساتھ ضمائر رفع مستعمل ہوتے ہیں تو لوگ اُسے فعل بنا دیتے ہیں۔ جبکہ وہ حقیقت میں ما نا فیه کی طرف حرف نفی ہے۔ میں کہتا ہوں (قول مفسر علام) کہ ابوحیان کا نظریہ اہل کوفہ کا مختار نظریہ ہے البتہ بصرہ کے متقدمین و متاخرین اور کوفیوں میں سے فراء۔ ابن برہان' زمخشری' متاخرین میں سے ابن عصفور۔ ان تمام نے لیس کی خبر کو لیس سے مقدم کرنا جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی الا یوم یاتیهم لیس مصروفاً عنهم (هود ۸) سے استدلال کیا گیا ہے۔ اس دلیل کا بیان یوں ہے کہ یوم یاتیهم مصروفاً کا معمول ہے۔ اور وہ لیس سے مقدم آیا ہے۔ اور اس کا ضمیر اسمیں پوشیدہ ہے۔ جو عذاب کی طرف لوٹتا ہے اور مصروفاً اس کی خبر ہے۔ اور معمول کو مقدم لانا اس وقت صحیح ہوتا ہے جہاں اس کے عامل کا مقدم لانا صحیح ہو۔ پھر اس کی خبر مصروفاً کو لیس پر مقدم لانا کیوں جائز نہیں ہے۔ جبکہ اس کے معمول کو اس پر مقدم لانا جائز ہے۔ شیخ رضی نے شرح کافیہ میں وضاحت سے فرمایا ہے کہ لیس کی خبر کو مقدم لانے کے جواز پر اکثر لوگ متفق ہیں جبکہ کوفیوں نے اس سے منع کیا ہے۔ کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ ما کی طرح ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ابوحیان نے جو کچھ ذکر کیا ہے کوفیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ جبکہ بصریوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ لہذا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ کوئی نحوی اس طرح نہیں گیا اور نہ ہی کوئی صنعت اعراب کا شناور۔ یعنی اس بات کی طرف جس طرف زمخشری گیا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ صاحب کشاف کا نظریہ بصریوں اور فراء کا مختار ہے اور ابوحیان کا قول محل نظر ہے۔ کیونکہ اہل بصرہ سیبویہ' سیرافی اور ابوعلی فارسی اس طرف گئے ہیں کہ یہ فعل ہے اور زمخشری نے مفصل میں وضاحت کی ہے کہ لیس کے معنی مضمون جملہ کی حال میں نفی کرنا ہوتی ہے۔ آپ کہتے ہیں لیس زید قائماً الآن۔ آپ یہ نہیں کہتے کہ لیس زید قائماً غداً اور اس کے فعل ہونے کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ضمائر اور تائے تانیث ساکنہ اس کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں۔

(۳) خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (ترجمہ:۔ نیچا کر دینے والی' بلند کر دینے والی) ان دونوں کو مبتداء کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا گیا۔ یعنی هی خافضة اور نیز ان دونوں کو حال ہونے کی وجہ سے منصوب بھی پڑھا گیا ہے۔ اور جملہ کے معنی تہویل (ہولنا کی ہے) یعنی یہ واقع ہونے والی چیز بعض اجسام مثلاً آسمان و کواکب کو پست کر دے گی۔ اور بعض اجسام مثلاً زمین اور جمے ہوئے

پہاڑوں کو' صور کے پھونکنے کی وجہ سے رونما ہونے والے زلزلوں کی شدت کی وجہ سے اونچا کردے گی۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ **الساعة خفضت اعداء الله الى النار ورفعت اولياء الله الى الجنة** یعنی قیامت دشمنانِ خدا کو آگ کی طرف گرادے گی اور اولیاء اللہ کو جنت کی طرف اونچا کردے گی۔

(۴) **اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا** (ترجمہ:۔ جب زمین زور سے ہلادی جائے گی) رج کے معنی ہیں اضطراب اور تحریک کہا جاتا ہے رجه ' یرجه ' رجاً کے معنی ہیں حرکہ وزلزلہ۔ اور اسی سے نفخ صور کی حدیث میں ہے **فترتج الارض باهلها اى تضطرب**۔ اور اسی سے حضرت ابن المسیب کی حدیث ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو اہل شہر کی آہ وبکا سے پورا شہر لرز اٹھا۔ معنی یہ ہیں کہ زمین بری طرح سے ہلے گی۔ اور اس پر موجود ہر چیز گر کر ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

(۵) **وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا** (ترجمہ:۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردئے جائیں گے)۔ فراء نے کہا ہے کہ وہ بھی آٹے کی طرح ہوجائیں گے۔ اس طرح اللہ کا یہ ارشاد گرامی **وسيرت الجبال فكانت سرابا** (النباء ۲۰) بھی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ **بست** کے معنی ہیں **نسفت** یعنی منتشر کردیا جائے گا۔ **ينسفها ربى نسفا**۔ زجاج نے کہا ہے کہ **بست** کے معنی ہیں **لُتَّتْ وخُلِطَتْ** (باریک کرکے باہم خلط ملط کردیا جائے گا۔ جب کسی چیز کو توڑ دیا جائے تو کہا جاتا ہے **بسى الشئى** اور ثعلب نے کہا ہے کہ ہموار کردیا جائے گا۔ اور ابوعبیدہ نے کہا ہے، **سارت ترابا تربا** اصمعی نے کہا ہے کہ اَلْبَسِيْسَةُ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے دوسری چیز کے ساتھ ملادیا جائے جیسے ستو کو پنیر کے ساتھ اور پھر اسے شیرہ میں گیلا کردیا جائے۔ یا جو کی طرح کہ اونٹ کے لئے گٹھلیوں کے ساتھ ملادیا جائے۔

(۶) **فَكَانَتْ** (ترجمہ:۔ تو ہوجائیں گے) یعنی پہاڑ **هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا** (ترجمہ:۔ منتشر غبار)

(۷) **وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً** (ترجمہ:۔ اور تم تین قسم کے ہوجاؤ گے) یہ گذشتہ اور حالیہ امت سے خطاب ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک ہر شئے حاضر ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ازواج کے معنی اصناف ہیں۔

(۸) **فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** (ترجمہ:۔ تو دائیں طرف والے) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمالنامے اپنے دائیں ہاتھوں میں لیں گے **مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ** (ترجمہ دائیں طرف والے کیا ہے) یعنی کچھ بھی ہو وہ اپنے حال میں ہوں گے۔ امارازی نے کہا **ما اصحاب الميمنه** کے معنی کیا ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بلاغت کی ایک قسم ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ متکلم نے کسی معاملہ کا بیان شروع کیا اور پھر خاموش ہوجائے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سامع' اس کے سماع پر قادر نہیں ہے۔ جیسے کوئی دوسرے سے کہے۔ مجھ پر جو بیتا تمہیں کچھ علم ہے۔ تو وہ اس وقت اپنے دل میں سوچتے ہوئے کہتا ہے کہ نہیں اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں اثبات میں جواب دینا ناراض نہ کردے۔ یا جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں کو کون جانتا ہے؟ اس کا یہ کہنا اس فلاں کی تفصیلی وصف بیان کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ سامع جب اس کی وصف کو سنے گا تو اسے اسی کی انتہا سمجھے گا۔ پس جب اس نے یہ کہا کہ فلاں کو کون جانتا ہے تو سامع سے اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ فرض کرلے گا اور فلاں کے بارے میں کہے گا کہ وہ اس شخص کے نزدیک اس سے عظیم اور بہتر ہے۔ جو

میں نے سمجھا اور فرض کیا تھا۔

(۹) **وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ** (ترجمہ:۔اور بائیں طرف والے) یعنی وہ لوگ جو اپنے نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں پکڑیں گے اور وہ کافر ہوں گے۔ **مَا اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَةِ** (ترجمہ:۔بائیں طرف والے کیا ہیں) امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت معاذ ابن جبلؓ سے حدیث نقل کی ہے حضورؐ نے **اصحاب الیمین و اصحاب الشمال** آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔اور اپنے ہاتھ سے اور دونوں مٹھیاں بند کرلیں۔اور فرمایا کہ یہ جنت میں ہے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور یہ دوزخ میں ہے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

(۱۰) **وَالسّٰبِقُوۡنَ** (ترجمہ:۔اور آگے رہنے والے) یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر ہے **السَّابِقُوۡنَ** (ترجمہ:۔آگے رہنے والے) زجاج نے کہا ہے کہ اللہ کی اطاعت میں رہنے والے ہی اللہ کی رحمت کی طرف آگے رہنے والے ہیں۔میرے نزدیک سابقین سے مراد **سابقون بالخیرات** ہے اور انہیں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد گرامی **ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات** (فاطر ۳۲) میں اشارہ فرمایا ہے۔یہ تینوں قسمیں مومنوں کی ہیں۔کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔اور انہیں کتاب یعنی قرآن مجید کا وارث بنایا ہے۔تو یہ سب مومن ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مغفرۃ اور رحمت سے سرفراز فرمائے گا۔اور عنقریب جنت میں داخل فرمائے گا۔پس اس آیت میں پہلی دو قسموں سے مراد **اصحاب المیمنة** ہیں اور آخری قسم سے مراد **السَّابِقُوۡنَ** ہے۔البتہ بائیں طرف والے کافر ہیں۔اللہ انہیں آگ میں داخل کرے گا اور کبھی بھی اس سے نہیں نکلیں گے۔

(۱۱۔۱۲) **اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ o فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ** (ترجمہ:۔وہی مقرب ہیں راحت کے باغوں میں) یہ **السابقون** کی طرف اشارہ ہے۔یعنی **سابقون** ہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہوں گے۔اور یہ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جنت نعیم میں داخل فرمائے گا۔جمہور نے اسے جمع کے طور پر جنات ہی پڑھا ہے۔جبکہ اسے مفرد کے طور پر جنت بھی پڑھا گیا ہے۔

(۱۳) **ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ** (ترجمہ:۔بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے) ثُلَّةٌ زبر کے ساتھ، بھیڑ بکریوں کی جماعت اور ان کے بالوں اور اون کو کہا جاتا ہے اور ثُلَّةٌ پیش کے ساتھ لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔اور فراء نے کہا کہ **الثلة** کے معنی **الفئة** ہیں یعنی گروہ۔زجاج نے کہا کہ ثلة کے معنی ہیں فرقہ یہ لفظ **ثَلَلۡتُ الشئی** سے لیا گیا ہے۔اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ کسی چیز کو کاٹیں۔

(۱۴) **وَقَلِيۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ** (ترجمہ:۔اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے) فراء نے کہا ہے کہ سورۃ کے شروع میں **ثلة من الاولین وقلیل من الآخرین** نازل ہوا تو صحابہ کرام کو بہت ناگوار ہوا تو اللہ نے دائیں طرف والوں کے بارے میں یہ بات نازل فرمائی کہ وہ دو بڑے گروہ ہیں ایک بڑا گروہ ان میں سے اور ایک بڑا گروہ ان میں سے۔اور آیت کے معنی ہیں کہ وہ دو ٹکڑیاں ہیں۔ایک ٹکڑی ان میں سے اور ایک ٹکڑی ان میں سے۔

(۱۵) عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ (ترجمہ:۔مرصع تختوں پر ہوں گے) جمہور اسے سین اور پہلی را کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ ''را'' کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔یہ بھی ایک لغت ہے۔''الوضن'' کے معنی ہیں بُننا۔یہ مضاعف ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چارپائی وغیرہ کے قسم کی چیزوں اور کپڑوں کو جواہر کے ساتھ بننے کو کہا جاتا ہے۔اور کبھی یہ درع کے وصف کے طور پر بھی آتا ہے یعنی الدرعة الموضونة یعنی مرصع زرع۔

(۱۶) مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا (ترجمہ:۔ان پر تکئے لگائے ہوئے) یعنی ان مرصع تختوں پر مُتَقٰبِلِيْنَ (ترجمہ:۔آمنے سامنے) کہا گیا ہے کہ اس طرح کے بعض بعض کی گردن کی پشت نہیں دیکھیں گے۔

(۱۷) يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ (ترجمہ:۔آتے جاتے رہیں گے ان کے گرد لڑکے) یعنی لڑکے ان کی خدمت کے لئے ان کے اردگرد گھومتے ہونگے۔مُّخَلَّدُوْنَ (ترجمہ:۔ہمیشہ رہنے والے) یعنی ہمیشہ جنت میں رہیں گے بوڑھے نہیں ہوں گے۔اور کسی دوسری حالت کی طرف متغیر نہیں ہوں گے۔فراء نے کہا ہے کہ عرب اس آدمی کے لئے جو بڑی عمر کا ہو مگر اس کے بال میں ذرا سی سفیدی نہ آئے اسے مخلد کہتے ہیں۔اسی طرح اس آدمی کو بھی مخلد کہا جاتا ہے جس کی داڑھی اور سر کی سیاہی بڑھاپے کے باوجود قائم رہے۔خَلَدَ يَخْلُدُ خُلوداً اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی سے بڑھاپا دور ہو جائے۔پہاڑوں کو بھی خوالد کہا جاتا ہے۔کیونکہ وہ طویل زمانہ باقی رہتے ہیں اور حال سے منتقل نہیں ہوتے۔فراء نے کہا کہ مخلدون کے معنی ہیں کہ وہ ایک ہی عمر پر رہیں گے بدلیں گے نہیں اور زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں طویل العمر اور قوی الجثہ ہوں گے۔ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ مخلدون کے معنی ہیں مستورون۔فراء سے بھی یہ مروی ہے اور ابوعمرو نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی باندی کو بالیاں پہنائے تو کہا جاتا ہے خلد جاریته

(۱۸) بِاَكْوَابٍ (ترجمہ:۔گلاسوں کے ساتھ) اکواب گومنہ والے پیالے جن میں دستے نہ ہوں۔اس جنتی کے اردگرد غلام گلاس لے کر گھومتا رہے گا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ چاندی کے کوزوں کو اکواب کہا جاتا ہے۔ وَّاَبَارِيْقَ (ترجمہ:۔اور آفتابے) دستے اور ٹونٹی والے پیالے اس کی واحد ابریق ہے یہ اس کو کہا جاتا ہے جس کا رنگ صفائی کی وجہ سے چمکتا ہے اور ظاہر کی طرح باطن بھی نظر آرہا ہو۔وَكَاْسٍ (ترجمہ:۔جام) ایک قسم کا برتن مِّنْ مَّعِيْنٍ (ترجمہ:۔چشمے سے) بعض نے کہا ہے کہ یہ مفعول بمعنی فاعل کے ہے ماء معین اور ماء معیون دونوں رائج ہیں۔یعنی جاری۔اور بعض نے کہا ہے کہ المَعَنُ سے فعیل کے وزن پر ہے جس کے معنی ہیں پلانا۔قتادہ نے کہا ہے کاس من معین کا مطلب یہ ہے کہ سفید شراب اور وہ وہاں پر رواں ہوگی کیونکہ معین کے معنی ہیں جاری۔

(۱۹) لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا (ترجمہ:۔اس سے انہیں سر درد نہ ہوگا) صدعه کا مطلب ہے شقه ولم يفترق۔اسی سے صداع لیا گیا ہے یعنی سر درد جو کہ شراب پینے کے بعد عارض ہوتا ہے جس سے شرابی کے سر میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔پس جو بھی دنیا کی شراب پیتا ہے وہ ان بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے لیکن جنت میں اس قسم کا کوئی عارضہ ہی نہیں ہے یہ جنتی شراب کی صفت ہے۔مجاہد نے اسے ''ی'' کی زبر اور ''ص'' کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے اصل میں ہے یتصدّعون یعنی یتفرقون . وَلَا يُنْزِفُوْنَ (ترجمہ:۔اور نہ ہی ان

کی عقول میں فتور آئے) یعنی وہ مدہوش نہیں ہوں گے۔ان کی عقلیں زائل نہیں ہوں گی۔فراء نے کہا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں۔ینزف ھذا الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی کی خوش مزاجی زائل ہو جائے۔نشے کی وجہ سے عقل زائل ہو جائے۔ینزفون کی قراۃ میں یہ دونوں وجہ موجود ہیں۔اور جس نے اسے ینذفون پڑھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی عقلیں زائل نہیں ہوں گی۔

(۲۰) **وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ** (ترجمہ:۔اور ان کے پسندیدہ لذیذ پھل) یعنی جسے وہ پسند کریں گے۔

(۲۱) **وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ** (ترجمہ:۔اور پرندوں کا گوشت جسے وہ چاہیں گے) یعنی جس کی وہ تمنا کریں گے۔

(۲۲) **وَحُوْرٌ عِيْنٌ** (ترجمہ:۔اور گوری کشادہ چشم بیویاں) جمہور نے اسے ولدان پر عطف کرتے ہوئے مرفوع ہی پڑھا ہے۔اور زجاج نے کہا ہے کہ اس کا جنات پر عطف ہونا بھی جائز ہے۔یعنی جنات میں اور حوروں میں یعنی حور کی معاشرۃ میں مضاف کے حذف کے ساتھ ہیں۔یعنی فی معاشرۃ حور یہاں سے مضاف کو محذوف کر دیا گیا۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علام) ایسا کرنے میں تکلف ہے اور جمہور کی قراۃ ہی صحیح ہے۔اور حور کی معنی کے متعلق گفتگو سورۃ رحمان میں گذر چکی ہے۔اور عین عیناء کی جمع ہے حور کہتے ہیں کشادہ آنکھ کو۔حدیث میں ہے کہ ان فی الجنۃ لمجتمعاً للحور العین یعنی جنت میں حور عین کا بڑا گروہ ہے اور ہم اس کا ذکر سورہ الطّور میں کر آئے ہیں۔ابو عمرو کہتا ہے کہ بنی آدم میں حور نہیں ہوتی ہے۔اور عورتوں کو ہرن اور گائے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے حور عین کہا جاتا ہے۔

(۲۳) **كَاَمْثَالِ اللُّؤْ لُؤِ الْمَكْنُوْنِ** (ترجمہ:۔چھپا کر رکھے ہوئے موتی کی طرح) مکنون سے مراد وہ ہے جسے ہاتھوں نے نہ چھوا ہو اور نہ ہی سورج کی حرات سے سخت ہوا ہو۔ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ لؤ لؤ مکنون صدف میں چھپے ہوئے موتی کو کہا جاتا ہے اور زجاج نے کہا ہے کہ اس موتی کی طرح جو صدف سے نکل کر زمانہ سے متغیر نہ ہو۔عرب خوبصورت عورتوں کو موتیوں اور مونگوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔عورت کو سمندر سے نکلنے والے موتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔اس کی انتہائی صفائی اور چمک کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ اسے ہاتھ نہیں چھوتے ہیں۔اور نہ ہی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے۔پس وہ اپنی ضیاع و بہجت کی وجہ سے دمکتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی انتہائی حسن و کمال اور خوبصورتی اور چھونے والوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہونے کی وجہ سے چمکتے موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔جیسے کہ عمرو بن کلثوم کا قول ہے اس کے معنی ہیں حضانا عن اکف اللامسین

(۲۴) **جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** (ترجمہ:۔ان کاموں کی جزاء جو وہ کرتے ہیں) یعنی یہ نعمتیں جنہیں اللہ نے خاص فرمایا ہے ان کے اعمال کے جزاء ہیں۔

(۲۵) **لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا** (ترجمہ:۔وہ نہ اس میں بے ہودگی سنیں گے اور نہ ہی گناہ کی بات) لغو باطل قول کو کہتے ہیں اور تاثیم کے معنی ہیں جھوٹ۔

(۲۶) **اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا** (ترجمہ:۔مگر ہر طرف سے سلام سلام کی صدا) یعنی وہ کوئی باطل نہ سنیں گے بلکہ وہ ایسا قول

سنیں گے جس کے معنی ہوں گے سلامتی سلامتی۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

(۲۷) **وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ** (ترجمہ:۔اور دائیں طرف والے کیا ہیں دائیں طرف والے)

(۲۸) **فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ** (ترجمہ:۔کانٹوں کی بیریوں میں) یعنی وہ ایسی بیریوں کی چھاؤں میں ہوں گے جن میں کانٹا نہیں ہوگا۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں نافع بن ازرق ان سے **فی سدر مخضود** کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا **لیس لہ شوکۃ** ایسی بیری جس میں کانٹا نہ ہو۔اس نے پوچھا کیا عرب اس سے واقف ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے امیہ بن ابی صلت کا یہ شعر نہیں سنا؟

ان الحدائق فی الجنان ظلیلۃ فیھا الکواعب سدرھا مخضود

(۲۹) **وَطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ** (ترجمہ:۔اور تہہ بہ تہہ کیلوں میں) فراء اور ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اس درخت کو کہا جاتا ہے جن میں کانٹے ہوں اور زجاج نے کہا **طلح**' ام غیلان کو کہتے ہیں اور اس میں پاکیزہ نور ہوتا ہے جس کی وجہ سے انہیں خطاب کیا گیا ہے وران کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے اس چیز کا جسے وہ پسند کرتے ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ اس کی دنیا بھر کی چیزوں پر فضیلت ایسی ہے جیسے جنت کی چیزوں کی دنیا کی چیزوں پر برتری۔ازہری اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ابن شمیل نے کہا ہے کہ **طلح** اس درخت کو کہتے ہیں جو لمبا اور سایہ دار ہوتا ہے۔لوگ اور اونٹ اس سے سایہ حاصل کرتے ہیں۔اس میں پتے تھوڑے ہوتے ہیں اور اس میں ٹہنیاں لمبی اور موٹی ہوتی ہیں۔جو اپنے لمبے ہونے کی وجہ سے آسمان کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔اور کھجور کے کانٹوں سے زیادہ کانٹے ہوتے ہیں اور اس کا تنا بڑا ہوتا ہے اس پر انسان کا ہاتھ لگ نہیں سکتا۔اونٹ اس میں سے کھاتے ہیں وہ ببول کا درخت ہے وہ پہاڑی علاقے میں ہوتا ہے۔ابن سیدہ نے کہا ہے کہ **الطلح** اور **الطلع** ایک ہی لغت ہے اس کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ وہ کیلا ہے۔اس نے کہا ہے کہ یہ غیر معروف ہے،اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ **طلح** کیلا ہی ہے اور ابن عباس' ابوسعید خدری' مجاہد' حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔حضرت علیؓ اسے **طلع منضود** پڑھتے تھے۔امام رازی نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ نے کسی کو **طلح منضود** پڑھتے سنا تو فرمایا کہ **طلع** کی کیا شان ہے یہ **طلع** ہے اور آپ نے اسے **طلع نضید** کر کے پڑھا پھر فرمایا مصاحف میں اسی طرح ہی ہے اور فرمایا مصاحف میں تبدیلی مت کرو۔بس ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن کے معجزہ ہونے اور حضرت علیؓ کے تبحر علمی کی دلیل ہے۔معجزہ اس طرح کہ حضرت علیؓ عرب فصحاء میں سے تھے لیکن جب یہ فقرہ سنا تو **طلع** پر محمول فرمایا۔اور ہمیشہ اسی پر ہی رہے اور اتفاقیہ طور پر ایک معنی آ گئے جس کی وجہ سے آپ نے اپنے جی میں یہ سوچا کہ یہ کلام انتہائی خوبصورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا ذکر فرمایا ہے جس سے مقصود سایہ حاصل کرنے کے لئے اس کے پتے ہیں اور درخت سے مقصود اس کی قدر و قیمت ہے جس کی وجہ سے دونوں قسمیں بیان کی گئی۔پھر آپ لفظ کی حقیقت پر مطلع ہوئے تو آپ سمجھ گئے کہ اس جگہ پر **طلح** پڑھنا ہی اولیٰ ہے۔اور یہ اس کلام سے زیادہ فصیح ہے جس کو آپ نے حد درجہ فصیح سمجھا تھا۔تو آپ نے فرمایا کہ مصحف ہی نے مجھے بتایا ہے کہ اس چیز کے بارے میں خبر ہے جو میرے گمان میں ہے۔

(۳۰) وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ (ترجمہ:۔اور پھیلے ہوئے لمبے سائے میں) یعنی ہمیشہ باقی رہنے والا۔

(۳۱) وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ (ترجمہ:۔اور چھلکتے پانی میں) یعنی وہ چھلکتا ہوا پانی جو نہروں میں آتا ہے۔

(۳۲) وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ (ترجمہ:۔اور بہت سے پھلوں میں) یعنی مختلف رنگوں کے۔

(۳۳) لَّا مَقْطُوْعَةٍ (ترجمہ:۔نہ کبھی ختم ہوں گے) یعنی کسی وقت میں بھی۔ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (ترجمہ:۔اور نہ روک ٹوک ہوگی) یعنی جو بھی ان کا ارادہ کرے۔

(۳۴) وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (ترجمہ:۔اور اونچے فرشوں میں) یعنی بعض بعض کے اوپر ہوں گے۔

(۳۵) اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً (ترجمہ:۔بے شک ہم نے انہیں خاص پیدائش پر بنایا) یعنی ہم نے حورعین کو خاص طرح بھی بنایا ہے۔

(۳۶) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (ترجمہ:۔تو ہم نے انہیں باکرہ (کنواریاں) بنایا) ابن عباس کہتے ہیں کنواریاں یعنی جب بھی ان کے شوہر ان کے پاس آئیں گے تو انہیں کنواریاں ہی پائیں گے)

(۳۷) عُرُبًا اَتْرَابًا (ترجمہ:۔اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں) العروب عرب کی جمع ہے اور عُرب شوہر سے محبت کرنے والی حسین عورت کو کہا جاتا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عروب کے معنی ہیں ناز وادا دکھانے والی نیز کہا گیا ہے کہ عرب کے معنی عاشق کے بھی ہیں۔نیز اہل مکہ کی زبان میں عروب اچھی شکل وصورت والی عورتوں کو کہا جاتا ہے۔ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ عروب شوہر کی فرمانبردار بیویوں کو کہا جاتا ہے۔مبرد نے کہا ہے کہ عروب شوہر پر عاشق بیوی کو کہا جاتا ہے۔اور اتراب ' تِرب کی جمع ہے اور ترب اصل میں کہتے ہیں جڑواں اور ہم عمر کو۔کہا جاتا ہے هذا ترب هذا لدتها اور یہ اکثر مونث کے بارے میں مستعمل ہے۔ هی تربها اور هما تربان کہا جاتا ہے جسکے معنی ہیں عمر میں مساوی ہونا کیونکہ ولادت کے وقت ان دونوں کی جلد نے مٹی کو چھوا ہوتا ہے۔ ثعلب نے کہا یہاں پر اتراب کے معنی امثال کے ہیں۔اور یہ بہتر ہے کیونکہ وہاں پر ولادت وغیرہ نہیں ہوگی اور یہی مجاہد کا قول ہے۔

(۳۸) لِاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (ترجمہ:۔دائیں طرف والوں کے لئے) یعنی وہ عورتیں دائیں طرف والوں کے لئے ہوں گی۔

(۳۹) ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ (ترجمہ:۔بڑا گروہ پہلے لوگوں میں سے ہوگا)

(۴۰) وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (اور ایک بڑا گروہ پچھلوں میں سے) یعنی اس امت کے پچھلے لوگوں میں سے جماعت اور یہی ضحاک' ابو عالیہ' عطاء بن ابی رباح اور مجاہد کا قول ہے۔میں کہتا ہوں (قول مفسر علامؒ) کہ اس طرف اللہ نے سورہ جمعہ کے اندر آخرین منهم لما یلحق بهم کے ارشاد گرامی میں اشارہ فرمایا ہے یعنی پہلے لوگوں کے ساتھ۔زجاج نے مجاہد کے قول کو اختیار کیا ہے

(۴۱) وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (ترجمہ:۔اور بائیں طرف والے اور کیسے بُرے ہیں بائیں

طرف والے) اس میں دھمکی کی شدّت اور شان ظاہر کی گئی ہے۔

(۴۲) فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِیۡمٍ (ترجمہ:۔جلانے والی اور سخت گرم پانی میں ہوں گے) "سموم" کے معنی ہیں آگ کی تپش۔ابوعبیدہ کہتا ہے کہ السموم بالنهار (یعنی دن کے وقت کی گرمی) جو کہ رات کو بھی محسوس ہوتی ہے۔"حرور" رات کے وقت کی گرمی ہے جو دن میں بھی پائی جاتی ہے۔ حمیم گرم پانی کو کہتے ہیں یہ لفظ اصل میں "حم" سے لیا گیا جس کے معنی حرارت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اشرب علی ما تجد من الوجع حسیً من ماء حمیم۔یعنی کھولتا ہوا پانی گھونٹ گھونٹ ہو تکلیف کی وجہ سے. حسیً سے مراد حسوۃ کی جمع ہے اور بمعنی گرم پانی کے گھونٹ ہیں۔

(۴۳) وَّظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ (ترجمہ:۔اور سخت سیاہ دھواں کے سائے میں) ابن سیدہ نے کہا ہے کہ یحموم کے معنی ہیں دھواں۔ نیز کہا گیا ہے کہ اہل دوزخ کے خیمے اور یہ بھی کہا گیا کہ یحموم شدید ترین سیاہ دھویں کو کہا جاتا ہے اور ضحاک نے کہا ہے کہ یحموم سیاہ آگ کو کہتے ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یحموم جہنم کی وادی ہے۔

(۴۴) لَّا بَارِدٍ (ترجمہ:۔جو نہ ٹھنڈا ہوگا۔) بلکہ نقصان دہ گرم ہوگا کیونکہ وہ جہنم کی آگ کے دھویں کا سایہ ہوگا۔ وَّلَا کَرِیۡمٍ (ترجمہ:۔نہ سودمند ہوگا) صاحب لسان العرب نے کہا ہے کہ فراء نے کہا کہ عرب لفظِ کریم کو ہر اس چیز کا تابع بناتے ہیں جس کے فعل کی نفی کی جاتی ہو۔اور اس سے مراد "ذم" ہوتی ہے۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ اسمیں "هذا" تو جواب میں کہا جاتا ہے ماهو بسمین ولا کریم۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کریم ایسا اسم ہے جو ان تمام خوبیوں کا جامع ہے جس کی انسان تعریف کرتا ہو۔پس جب اس صفت کی نفی کر دی گئی تو سارے محامد و محاسن کی نفی کر دی گئی۔

(۴۵) اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ (ترجمہ:۔یہ لوگ اس سے پہلے تھے) یعنی آخرۃ کے عذاب سے پہلے۔مُتۡرَفِیۡنَ (ترجمہ:۔خوشحال) یعنی نعمتوں میں (متصف نعمتیں) شاداں و فرحاں۔

(۴۶) وَکَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ (ترجمہ:۔وہ بڑے گناہ پر مصر تھے) کفر و شرک پر مصر تھے۔

(۴۷) وَکَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ اَئِذَا مِتۡنَا وَکُنَّا (ترجمہ:۔اور وہ کہا کرتے تھے کیا جب ہم مریں گے اور ہو جائیں گے) موت کے بعد تُرَابًا وَّعِظَامًا (ترجمہ:۔مٹّی اور ہڈّی) سڑی گلی بوسیدہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ایذا کنا عظاما نخرة (النازعات ۱۱) ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ (ترجمہ:۔کیا وہ اٹھائے جانے والے ہم ہیں)

(۴۸) اَوَاٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ (ترجمہ:۔یا ہمارے پہلے والے آباء و اجداد) اور ایسا ہونا ان کے جہل کی افراط کی وجہ سے بعید تھا۔

(۴۹) قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ (ترجمہ:۔آپ کہہ دیجئے بلاشبہ پہلے والے لوگ) گذشتہ امتوں میں سے وَالۡاٰخِرِیۡنَ (اور بعد والے لوگ) یعنی ان میں سے۔

(۵۰) لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ (ترجمہ:۔ضرور جمع کئے جائیں گے) موت کے بعد اِلٰی مِیۡقَاتِ (ترجمہ:۔وقت مقررہ پر)

یعنی ایک وقت کے لئے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ایک دن کو وہ تمہیں جمع کرے گا۔ ہونے والے دن۔ **يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ** (ترجمہ:۔ جانتے ہوئے دن) یعنی اللہ کے نزدیک معین شدہ اور وہ ہے قیامت کا دن۔

(۵۱) **ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ** (ترجمہ:۔ پھر یقیناً تم اے گمراہو جھٹلانے والو)

(۵۲) **لَاٰكِلُوْنَ** (ترجمہ:۔ ضرور کھاؤ گے) آخرت میں۔ **مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ** (ترجمہ:۔ تھور کے درخت میں سے) یعنی زقوم کے درخت سے جو انتہائی بدصورت، بدمزہ اور کڑوے درختوں میں سے سب سے زیادہ خبیث، تہامہ کے علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔

(۵۳) **فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ** (ترجمہ:۔ پھر اسی سے پیٹ بھرو گے) یعنی زقوم کے درخت سے۔

(۵۴) **فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ** (ترجمہ:۔ پھر اس پر سخت کھولتا پانی پیو گے) یعنی انتہائی گرم پانی۔

(۵۵) **فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ** (ترجمہ:۔ پس پیاسے اونٹ کے پینے کی طرح پیو گے) جمہور نے اسے **شرب الھیم** ہی پڑھا ہے نیز اسے ضم اور کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ ابوزید کا قول ہے۔ مبرو نے کہا ہے مصدر اور اسم مصدر فتح سے ہیں اور یہاں شاربون کی تکرار، دھمکی کی سختی وشدت کو ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ "**ھیم**" کہتے ہیں پیاسے اونٹ کو نیز ریت کو بھی کہا جاتا ہے پیاس کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ گرتی ہوئی مٹی کو **ھیام** کہا جاتا ہے۔ نیز گرتی ہوئی ریت کو **ھیام** کہا جاتا ہے۔ اخفش، ابن کیسان اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ ھیم اس اونٹ کو کہتے ہیں کہ جسے مخصوص قسم کی بیماری ہو جس کی وجہ سے وہ پانی سے سیر نہیں ہوتا۔ اس کا واحد اَھْیَمُ ہے۔ اور اس کی مونث **ھیماء** ہے۔ اس نے کہا ہے کہ عرب مذکر کو **ھائم** اور مونث کو **ھائمة** کہتے ہیں اور پھر اس کی جمع **ھیم** لاتے ہیں جیسے **عائط** اور **عیط** اور **حائل** اور **حول** ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ **ھیم** کے اندر پیش ترک کر دیا گیا ہے تا کہ "ی" واؤ نہ بن سکے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنمی کھولتا پانی اس طرح پئیں گے جیسے تشنہ کام اونٹ جسے پیاس کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ پانی سے سیر نہیں ہوتا۔ اور دوسرے قول کے مطابق **ھیم** سے مراد **ھیام الارض** ہے یہ ریت ملی مٹی کو کہتے ہیں جو پانی چوستی ہے اور یہ مقدر ماننے میں دو وجوہ ہیں پہلے یہ کہ **ھیم** جمع **ھیام** کی ہے۔ "فُعْل" کے وزن پر جمع لائی گئی ہے پھر مخفف کر کے "ھا" کو "یا" کی وجہ سے زیر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنی کی طرف نظر رکھی جائے۔ اور مراد یہ ہے کہ پیاسی، ریت کی طرح یہ وہ ہوتی ہے جس کی پیاس نہیں بجھتی۔ یعنی جہنمی کھولتے پانی کو ریت یا راکھ کے (جذب کر کے) پینے کی طرح پئیں گے مقصد یہ ہے کہ پہلے پہل انتہائی شدید کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور ان کی پیاس زائل نہ ہوگی۔ اگرچہ وہ پیاسے اونٹ اور ریت ملی مٹی چوسنے والی زمین کی طرح ہی کیوں نہ پئیں۔

(۵۶) **هٰذَا** (ترجمہ:۔ یہ) یعنی حمیم وزقوم کا جو ذکر کیا گیا ہے۔ **نُزُلُهُمْ** (ترجمہ:۔ ان کی ضیافت ہوگی) یعنی ان کی غذا ہوگی۔ جمہور نے اسے ن اور زا کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے۔ نیز اسے ن کے پیش اور "زا" کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ **يَوْمَ**

الدِّیْنِ (ترجمہ:۔حساب کتاب کے دن) یعنی جزاء کے دن۔

(۵۷) **نَحْنُ خَلَقْنٰکُمْ فَلَوْ لَا** (ترجمہ:۔ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے تو کیوں نہیں) کس وجہ سے **تُصَدِّقُوْنَ** (ترجمہ:۔تم تصدیق کرتے) یعنی خلق و بعث (پیدا کرنے اور دوبارہ اٹھانے) کی کیونکہ پہلے پہل پیدا کرنے والی ذات دوبارہ پیدا کرنے پر جو کہ محض اعادہ ہے' قادر ہے۔

(۵۸) **اَفَرَءَیْتُمْ** (ترجمہ:۔بتاؤ تو سہی) یعنی مجھے بتاؤ کہ کیا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ **مَّا تُمْنُوْنَ** (ترجمہ:۔جو نطفہ تم گراتے ہو) یعنی رحموں میں جو نطفہ تم ڈالتے ہو۔ نیز تمنون کو تا کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔

(۵۹) **ءَ اَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ** (ترجمہ:۔کیا تم اسے (انسان کو) پیدا کرتے ہو) یعنی اس قطرہ منی کو رحم مادر میں کامل انسان کی شکل کیا تم دیتے ہو۔ **اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ** (ترجمہ:۔یا ہم پیدا کرنے والے ہیں) بغیر استعانت کے بغیر کسی کی مدد کے۔ کہا گیا ہے کہ یہاں ''ام'' متصلہ ہے اور لفظ خالقون کو تاکید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ خبر کے طور پر نہیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''ام'' منقطع ہے جس کے بعد پورا جملہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ (تم نہیں) بلکہ ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ اس صورت میں استفہام تقریری ہو جائے گا۔ امام رازی کے بقول اس کے معنی ہیں کہ کیا تم اس بات پر شک کرتے ہو کہ اللہ نے تمہیں اولاً پیدا کیا پھر اگر وہ یہ کہیں کہ ہم اس بات پر شک نہیں کرتے کہ وہی ہمارا خالق ہے تو پھر انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم اپنی دوبارہ تخلیق کی بھی تصدیق کرتے ہو۔ پس جس ہستی نے تمہیں پہلے پہل لاشئی سے تخلیق کیا وہ معلوم اجزاء سے تمہاری دوبارہ تخلیق سے عاجز نہیں ہے۔ اور اگر تمہیں شک ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ تخلیق تو مادہ منی سے ہی ہوتی ہے اور موت کے بعد تو نہ والدہ ہے نہ منی ہے تو ان سے کہا جا رہا ہے کہ اس مادۂ منی کو تم پیدا کرتے ہو یا اللہ۔ اور اب اگر تم اللہ کے اس علم و ارادہ کا اعتراف کرتے ہو تو تمہاری یہ بات ''جواز حشر'' کے قول کو اور اس کے وقوع کے درست ہونے کو لازم کرتی ہے۔

(۶۰) **نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَکُمُ الْمَوْتَ** (ترجمہ:۔ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے) جمہور نے قدرنا کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے نیز تخفیف کے ساتھ قَدَرْنَا پڑھا ہے۔ یعنی ہم نے اپنی مشیت کے مطابق ہر ایک کی موت کے لئے وقت معین کر دیا ہے۔ **وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ** (ترجمہ:۔اور ہم عاجز نہیں) بلکہ ہم قادر ہیں۔

(۶۱) **عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ** (ترجمہ:۔اس بات پر کہ تم جیسے اور لوگ تمہاری جگہ لے آئیں) یعنی تمہیں ہلاک کرنے اور تمہاری جگہ پر اپنی قدرت سے تمہارے مشابہ اور تمہاری مثل لانے پر۔ زجاج نے کہا ہے کہ اگر ہم تمہارے علاوہ دوسری مخلوق پیدا کرنا چاہیں تو ہمیں نہ کوئی عاجز کرنے والا اور نہ کوئی روکنے والا ہے۔ اور یہاں پر ''علی'' کا بمعنی '' ل'' ہونا بھی جائز ہے۔ (لان نبدل) ابن جریر نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے کہ تمہاری موت کے بعد تمہاری جنس کے تمہاری ہی طرح دوسرے لوگ لے آئیں اور تمہارے ''اجل'' میں ہم عاجز نہیں یعنی آگے والا پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اور پیچھے والا آگے نہیں ہو سکتا آپ جانتے ہیں کہ شیخ ابن جریر نے جو کچھ فرمایا ہے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر اعادہ سے مراد بعینہ ان ہی

جسموں کا اعادہ نہیں ہے بلکہ ان کی مثال کا اعادہ مراد ہے۔ جمہور اہل السنہ کا نظریہ یہ ہے کہ وقت و زمان کے علاوہ باقی تمام شخصی عوارض لوٹائے جاسکتے ہیں۔ اجسام کا بھاری بھر کم ہونا اور بڑا ہونا' عوارض اصلیہ کو باطل نہیں کر سکتے۔ جیسے کہ چھوٹے بچے کے عوارض ہونا اور اس کے بڑے ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کے بڑے ہونے کے بعد بھی اسے لوگ پہچانتے ہیں۔ **وَنُنْشِئَكُمْ** (ترجمہ:۔ اور ہم تمہیں بنادیں) یعنی یہ تمہیں تخلیق کریں۔ **فِيْ مَالَا تَعْلَمُوْنَ** (ترجمہ:۔ ایسی صورت میں جسے تم جانتے ہی نہیں) صورتوں اور شکلوں میں سے یعنی ہم تمہیں بندر اور خنزیر بنادیں۔

(۶۲) **وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى** (ترجمہ:۔ بے شک تم پہلی پیدائش کو جانتے ہو) یہ وہ پیدائش ہے جس میں تم نطفہ تھے پھر جما ہوا خون' پھر گوشت کا لوتھڑا' اگر تم اس میں فکر کرتے تو جان جاتے کہ تم ایسی چیز تھے جس میں کوئی حس و حرکت نہیں ہوتی۔ جس میں فعل و انفعال نہیں۔ پس اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں مضبوط بنایا اور باطنی و ظاہری قوی عطاء فرمائے۔ پھر تمہیں فہم و عقل کے نور سے منور فرمایا یہاں تک کہ تم جماد ہونے کے بعد انسان بن گئے۔ **فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ** (ترجمہ:۔ تو تم کیوں نہیں سمجھتے) یعنی کیوں نہیں نصیحت حاصل کرتے کہ جو ہستی بغیر مادہ اور مدت کے **نشائة اولیٰ** پر قادر ہے وہ **نشائة ثانی** پر بھی قادر ہے۔ کیونکہ اعادہ ایجاد سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

(۶۳) **اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ** (ترجمہ:۔ ذرا بتاؤ کہ جو تم کاشت کرتے ہو) یعنی خبر کرو کہ جو دانے تم اگاتے ہو اور زمین میں کام کرتے ہو۔

(۶۴) ءَ **اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ** (ترجمہ:۔ کیا تم اُسے اگاتے ہو) یعنی تم نباتات اگاتے ہو "زرع" سے مراد بیج ڈالنا ہے۔ **اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ** (ترجمہ:۔ یا ہم ہیں اُگانے والے) یعنی اسے کھیتی باڑی بنانے والے۔ مبرد نے کہا ہے کہ **زرعه الله انبته** کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نمو بخشا۔ پس جب تم اس میں فکر کرو گے تو جان جاؤ گے کہ اللہ ہی مبدئ اور معید ہے۔

(۶۵) **لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ** (ترجمہ:۔ اگر ہم چاہیں تو اسے بنادیں) یعنی اسے جسے تم نے اگایا ہے۔ **حُطَامًا** (ترجمہ:۔ ریزہ ریزہ) یعنی چورا چورا سوکھی گھاس یعنی بھوسہ۔ ازہری نے کہا ہے کہ **حطام** ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سوکھی چیزوں میں ریزہ ریزہ ہو. **فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ** (ترجمہ:۔ تو تم رہ جاؤ) یعنی بن جاؤ۔ اسے زیر کے ساتھ **فَظِلْتُمْ** بھی پڑھا گیا ہے اصل میں یہ **فظللتم** ہے کے معنی ہیں **تَنَدُّمْ** یعنی وہ لوگ نادم ہو کر رہ جائیں گے جمہور نے "ھا" کے ساتھ **تفکھون** پڑھا ہے ابو حرام نے اسے نون کے ساتھ **تفکنون** پڑھا ہے اور ابن خالویہ کہتے ہیں کہ **تفکه** کے معنی تعجب ہیں اور **تفکن** کے معنی تندم ہیں۔ اور زجاج نے کہا ہے کہ **تفکه** کے معنی ندامت ہی ہے اسی طرح سے **تفکن** بھی ہے اور یہ **ازدشنؤة** کے **عکل لحیانی** کی لغت ہے۔ یعنی **تفکه** کو تندم کے معنی میں لینا۔ البتہ بنو تمیم کہتے ہیں کہ **تفکن** بمعنی تندم کے ہیں۔ ابن اعرابی نے کہا ہے کہ **تفکھنا** اور **تفکنت** ان دونوں کے معنی ہیں تندمت (یعنی میں نادم ہوا) فراء نے کہا ہے کہ اس آیت کے معنی ہیں جو کچھ ان کی کھیتی باڑیوں پر نازل ہوگا اس پر وہ تعجب کرتے ہیں۔ پہلے معنی

زیادہ مناسب ہیں۔

(٦٦) **اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ** (ترجمہ:۔کہ ہم پر تاوان پڑ گیا) غرام ۔شدید ترین عذاب ہے۔ معنی یہ ہیں کہ ہم پر غرام ڈالا گیا ہے۔ نیز اسے ائنّا استفہام کے طور پر پڑھا گیا ہے۔ جبکہ یہ جملہ مقدر ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ کہیں گے۔ انا لمغرمون.

(٦٧) **بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ** (ترجمہ:۔ بلکہ ہم ہی محروم رہ گے۔) یعنی ہمیں ہمارے رزق سے محروم کر دیا گیا اور روک دیا گیا۔ ازہری نے کہا ہے کہ حرم' منع' اور حرمان ایک ہی معنی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محروم وہ ہوتا ہے جو خیر سے محروم رکھا جائے۔

(٦٨) **اَفَرَءَیۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِیۡ تَشۡرَبُوۡنَ** (ترجمہ:۔تو ذرا بتاؤ جو پانی تم پیتے ہو)

(٦٩) **ءَ اَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ** (ترجمہ:۔اسے بادل سے کیا تم نے اتارا ہے؟) مزن پانی سے معمور بادل کو کہتے ہیں جسے عذاب سے کوئی ٹال نہ سکے۔ اس کا واحد مزنة ہے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہ مزن غیم اور سحاب کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سفید بادل جس کا پانی میٹھا ہو۔ **اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ** (ترجمہ:۔ یا ہم ہیں اتارنے والے) اسے اپنی قدرت اور اپنے ارادہ سے۔

(٧٠) **لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ** (ترجمہ:۔اگر ہم چاہیں تو اسے بنا دیں) یعنی بادل کے پانی کو۔ **اُجَاجًا** (ترجمہ:۔سخت کھارا) یعنی انتہائی شدید کڑوہ نمکین۔ نیز کہا گیا ہے کہ اجاج کے معنی ہیں سخت گرم۔ جاء ت اجت الصیف (گرمی کی شدت ہوگئی) اس معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ معنی امام رازی نے بھی اختیار کئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ہم اسے چاہیں تو اسے بنا دیں ہلاک کرنے والا کھارا پانی جس کا پینا ممکن نہ ہوتا یا اسے بنا دیں کھولتا ہوا جلانے والا گرم پانی جس سے ان کے کھیت وکھلیان جل جائے۔ **فَلَوۡلَا تَشۡكُرُوۡنَ** (ترجمہ:۔تو تم شکر کیوں نہیں بجالاتے)

(٧١) **اَفَرَءَیۡتُمُ النَّارَ الَّتِیۡ تُوۡرُوۡنَ** (ترجمہ:۔تو بتاؤ کہ وہ آگ جو تم روشن کرتے ہو؟) کہا جاتا ہے وورت النار' تَرِی وریاً وھو وارٍ وورئ' ان سب کے معنی ہیں اتقد یعنی بھڑکایا۔ اس طرح اوری یوری بھی ہے معنی یہ ہیں کہ تم چقماق سے آگ بھڑکاتے ہو اور عرب اسے دو لکڑیوں سے پیدا کرتے تھے۔ جس میں ایک کو دوسری پر رگڑا جاتا تھا اوپر والی لکڑی کو زند اور نیچی والی لکڑی کو زندة کہا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ ان میں سے ایک کو نر کے ساتھ اور دوسری کو مونث کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

(٧٢) **ءَ اَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَا** (ترجمہ:۔کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے؟) اس سے مراد اس کی اصل ہے اور وہ ہے جہنم کی آگ۔ **اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِئُوۡنَ** (ترجمہ:۔یا ہم ہیں پیدا کرنے والے؟) یعنی آگ کے درخت کو۔

(٧٣) **نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا** (ترجمہ:۔ ہم نے اسے بنایا ہے) یعنی اس آگ کو جو دنیا میں ہے۔ **تَذۡكِرَةً** (ترجمہ:۔یاد دہانی) یعنی جہنم کی آگ کے لئے دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ **وَمَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِیۡنَ** (ترجمہ:۔اور مسافروں کے لئے فائدہ کی چیز) یعنی ان لوگوں کے لئے جو جنگل ویرانوں میں سفر کرتے ہیں منفعت بنایا یہ فراء کا قول ہے اور ابوعبید نے

کہا ہے کہ اس آدمی کے لئے فائدہ کی چیز جس کے ساتھ زادسفر نہ ہو اقوی و الرجل اس وقت کہا جاتا ہے جب اس نے اپنا زادِراہ ختم کر دیا ہو۔ابواسحاق نے کہا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو خالی ویران جگہ پر قیام کرے اور ابوعمر بصری نے کہا ہے کہ القواية الارض اس زمین کو کہتے ہیں جہاں بارش نہ برستی ہو اور مجاہد نے کہا کہ مقوین کے معنی ہیں۔اس سے نفع اٹھانے والے لوگ۔کھانا پکانے میں سینکنے اور روشنی وغیرہ حاصل کرنے میں۔اور قطرب نے کہا ہے کہ القویٰ اضداد میں سے ہے یہ ویرانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور غناء کے معنی میں بھی۔اقویٰ الرجل اسوقت کہتے ہیں جب وہ ساز وسامان سے خالی ہو۔اور اقوی اس وقت بھی کہا جاتا ہے جب اس کا جانور ساز وسامان سے لدا پھندا ہو اور اس کا مال بہ کثرت ہو۔معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کو فقراء اور اغنیاء کے لئے منعفت بنایا ہے۔اور یہ سب سے بہتر قول ہے۔

(۷۴) **فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ** (ترجمہ:۔تو اپنے رب عظیم کی تسبیح بیان کیجئے۔)اس میں ف' ترتیب کے لئے ہے جو اس نے اپنی کاریگری کے نمونے اور اپنی گوناگوں خوش کن نعمتیں عطاء فرمائی ہیں جن کی وجہ سے مومن پر لازم ہے کہ اس کی تسبیح بیان کرے اور اس کی نعمتوں کو جھٹلانے والے اور اس کی وحدانیت کا انکار کرنے والے اور معاندین کی باتوں سے اس کی تنزیہ بیان کرے۔ ''باسم ربک'' میں ''ب'' زائدہ ہے۔

(۷۵) **فَلَا أُقْسِمُ** (ترجمہ: مجھے قسم ہے)اس میں لا تاکید کے اضافہ کے لئے ہے اور فراء نے اسے نافیہ کہا ہے اور معنی یہ ہیں کہ لیس الا مر کذالک یعنی (معاملہ یوں نہیں بلکہ) پھر نئے جملے کے طور پر فرمایا اُقسم (میں قسم کھاتا ہوں) اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تقدیر کلام یوں تھی۔ فلا انا اقسم۔پھر اس میں سے مبتداء کو حذف کر دیا گیا اور فتح کو پھیلا دیا گیا تو وہ 'لا' بن گیا۔اور یہ لام ابتداء کا ہے اور اس کی تائید فلا اقسم پڑھنے والوں کی قراءت سے بھی ہوتی ہے۔یہی صاحب کشاف کا قول ہے اور ابوحیان اندلسی نے بھی اس سے موافقت کی ہے اور کہا کہ لام ابتداء کا ہے اس کے بعد فتح لائی گئی جس سے 'الف' بنا جیسے کہ شاعر نے کہا ہے۔

اعوذ بالله من العقراب

یہ اگرچہ قلیل الاستعمال ہے لیکن اس کی نظیر فاجعل افئدة من الناس (ابراھیم ۳۷) (ھمزہ کے بعد ''ی'') میں موجود ہے۔جو ہشام کے قراۃ کے مطابق ہے۔ **بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ** (ترجمہ:۔نجوم کے واقع ہونے کے مقامات کی) نجوم' کواکب کو کہتے ہیں اور اس کے مواقع یا تو غروب ہونے کی جگہیں ہو یا آسمان کے بروج اور ان کی منازل ہیں یا قیامت کے دن ان کے انتشار کے وقت گرنے کے مقامات ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نجوم سے مراد نجوم القرآن ہے۔اس صورت میں اس کے مواقع یا نفوس ملائکہ ہیں یا انبیاء اور رسولان عظام کے قلوب ہیں اور یہ قول ضعیف ہے۔کیونکہ نجوم قران کا موقع نفس جبرئیل اور نبی پاک ﷺ کا قلب مبارک ہے۔نبی پاک ﷺ سے قبل والے انبیاء علیہم السلام قرآن کی منزل نہیں تھے۔یہ اس تقدیر پر ہے کہ جب مواقع النجوم میں لفظ مواقع کو بطور جمع پڑھا جائے اور اسے مفرد موقع النجوم پڑھنے کی صورت میں اس تاویل کے لئے وجہ موجود ہے۔اور اسے مفرد

موقع النجوم پڑھنے والوں میں حضرت عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ ابن عباسؓ اور اہل مدینہ اور حمزہ وکسائی وغیرہ شامل ہیں۔سب سے مناسب بات یوں کہنا چاہئے کہ نجوم قرآن سے مراد اسکے محکمات ہیں اور یہ معنی اس دوسری قراۃ کے اعتبار سے صحیح ہیں۔اور بعض نے کہا ہے کہ مواقع النجوم سے مراد نجوم کے غروب ہوتے وقت ان کے ماند پڑنے کے مواقع ہیں۔اور وہ وقت مومنوں پر اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کی تسبیح وتہلیل اور عبادت کا وقت ہوتا ہے۔جو نہایت سعید ومبارک وقت ہوتا ہے۔اسی لئے اللہ نے فرمایا۔

(۷۶) وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے) معنی یہ ہیں کہ یہ قسم ہے اگر تم جانتے تو تم اس کی عظمت کا اعتراف کرتے۔جب تم نے اس کی عظمت کا اعتراف ہی نہ کیا تو تم اسے جانتے ہی نہیں ہو۔اور اس آیۃ میں اہل نجوم کا رد بھی ہے وہ اس طرح کہ اگر وہ لوگ ستاروں کے مواقع کے اسرار کو جانتے ہوتے تو اس قسم کے رموز کو جانتے اور ان کی تصدیق بھی کرتے۔بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں لقسم کا ارشاد معاملہ کی تاکید اور مقسم بہ کی تنبیہ کے لئے ہے اور یہ دو کلاموں کے درمیان معترضہ جملہ نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں قصد وارادہ البتہ لو تعلمون کا جملہ معترضہ ہے۔

(۷۷) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (ترجمہ:۔بے شک یہ بڑے مرتبے والا قرآن ہے) یہ جملہ مقسم علیہا ہے اور لفظ کریم اللہ کی صفات میں سے ہے اور یہ قرآن اور رسول دونوں کی صفت بھی ہوتا ہے۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انه لقول رسول کریم ذی قوة عند ذی العرش مکین (التکویر ۲۰) اور کریم کہتے ہیں کثیر الخیر بڑا سخی اور دینے والا جس کی عطاء کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا اور وہ کریم مطلق انواع خیر وشرف وفضائل کی جامع ہستی ہے۔اور قرآن کو کریم اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں ھدایت وعلم وحکمت ہے اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ایک فقیہ شخص قرآن سے استناد کرتا ہے اور اسی سے مسائل اخذ کرتا ہے اور ایک حکیم اسی سے استفادہ کرتا ہے اور اسی سے دلیل پیش کرتا ہے اور ایک ادیب اس سے استفادہ کرتا ہے اور اپنی بات کو مضبوط بناتا ہے۔پس اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ خیرات وحسنات کا منبع ہے جس سے شرائع وحکم پھوٹتے ہیں۔

(۷۸) فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (ترجمہ:۔محفوظ کتاب میں) یعنی تغیر وتبدل سے محفوظ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانا له لحافظون. (الحجر ۹)

(۷۹) لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (ترجمہ:۔اس کو چھوتے نہیں مگر پاک لوگ) کتاب سے مراد مصحف ہے اور امام شافعیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔شیخ امام قاضی ابن رشد نے بدایة المجتهد میں فرمایا ہے کیا یہ طہارت مس مصحف کے لئے شرط ہے یا نہیں۔امام مالکؒ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا یہ مسلک ہے کہ مس مصحف کے لئے شرط ہے۔اور اہل ظاہر کا نظریہ ہے کہ یہ اس کے لئے شرط نہیں ہے۔اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ یہ حضرات لایمسه الا المطهرون کے مفہوم میں متردد ہیں کہ مطهرون انسان ہیں یا ملائکہ ہیں نیز یہ کہ یہ جملہ خبر ہے جس کا مفہوم یہی ہے یا کہ یہ جملہ خبر یہ ہے ہی نہیں ہے۔پس جس نے مطهرین سے مراد بنی آدم لیا اور

جملہ خبریہ ہونے سے نہی کا مفہوم سمجھا وہ لوگ کہتے ہیں کہ مصحف کو طہارت کے بغیر ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے اور جس نے اس جملہ سے محض خبر مردالی ہے اور **مطھرون** کے لفظ سے ملائکہ کا مفہوم سمجھا ہے ان کا قول ہے کہ آیت میں مس مصحف کے لئے اس طہارت کی شرط کی دلیل نہیں ہے اور جب کتاب وسنت سے اس کی دلیل ثابت نہیں ہے تو یہ امر برأت اصلیہ سے ثابت ہوگا۔ اور وہ اباحت ہے اور جمہور نے اپنے مسلک کی دلیل کے لے عمر بن حزم کی حدیث پیش کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے لازم فرمایا کہ قرآن کو پاک آدمی کے علاوہ کوئی نہ چھوئے اور عمر بن حزم کے وجوب العمل میں لوگوں کو اختلاف ہے کیونکہ وہ مصحف احادیث ہیں۔ اور میں نے ابن المفوز کو دیکھا ہے کہ وہ اس کی روایتوں کو صحیح سمجھتا ہے۔ جبکہ ثقہ راوی نے روایت کیا ہو کیونکہ وہ بات نبی کی فرض کردہ ہے اس طرح عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی احادیث میں بھی لوگوں کو اعتراض ہے اور اہل ظاہر ان کو رد کرتے ہیں اور امام مالک نے بغیر طہارت کے بچوں کو چھونے کی اجازت دی ہے کیونکہ وہ غیر مکلّف ہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

(۸۰) **تَنْزِيْلٌ** (ترجمہ:۔ نازل کیا ہوا ہے) جمہور نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے نیز اسے حال ہونے کی وجہ سے نصب کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ **مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (ترجمہ:۔ رب العالمین کی طرف سے) اس آیت میں اس کی تردید کی گئی ہے جو یہ کہتا ہے کہ قرآن، شعر ہے سحر ہے یا کہانت ہے۔

(۸۱) **اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ** (ترجمہ:۔ تو کیا اس کلام کے ساتھ تم لاپرواہی کرتے ہو) حدیث سے مراد قرآن ہے ابوالھثیم نے کہا ہے کہ **ادھان** کے معنی ہیں کلام میں مقاربت اور نرمی، اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔ **ودوا لو تدھن فیدھنو ن** (القلم ۹) یعنی کہ اس بات کو پسند کرتے ہیں اگر آپ ان کے ساتھ دین میں بناوٹ اختیار کریں تو وہ بھی آپ سے بناوٹ کا مظاہرہ کریں۔ لیث نے کہا ہے کہ **الادھان** کے معنی ہیں تری اور اسی سے زھیر بن ابی اسلمی کا یہ قول ہے۔

وفی الحلم ادھان وفی العفو دربة وفی الصدق من جاء ت من الشر فاصدق

(بردباری میں نرمی ہے اور معاف کرنے میں دلیری ہے اور سچ میں برائی سے نجات ہے پس تو سچ بول۔) امام رازیؒ فرماتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ **ادھان** سامع کو مائل کرنے کے لئے کلام کی نرمی کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ متکلم کے کلام کے درست ہونے کا عقیدہ نہ ہو، جیسے کہ جب دشمن اپنے دشمن سے عاجز آجائے تو اسے بطور مدافعت اور بطور جھوٹ کہتا ہے کہ میں تو تیرے لئے دعا گو ہوں۔ پس **مدھن** لفظ کا استعمال **مکذب** کے معنوں میں معنی ثانویہ کے طور پر ہونے لگا۔ زجاج نے کہا ہے **مداھن**، منافق کو کہتے ہیں۔ عطاء نے کہا ہے کہ **مدھن** کے معنی ہیں کذاب، اور فراء نے کہا ہے کہ **انتم مدھنون** کے معنی ہیں **انتم مکذبون**۔ نیز **مدھنون** کے معنی **کا فرون** بھی کہا گیا ہے اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول **ودو لو تدھن فیدھنون** میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ یعنی وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر آپ کفر کریں تو وہ بھی کفر کریں۔

(۸۲) **وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ** (ترجمہ:۔ اور تم اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ تم اُسے جھٹلاتے ہو) یعنی

اپنے رزق کے شکر کو تم جھٹلاتے ہو یہاں مضاف محذوف ہے۔ جیسے کہ قولہ تعالیٰ واسئل القریۃ میں مضاف محذوف ہے۔ ابوحیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ نے وتجعلون شکر کم پڑھا ہے۔ اور یہ اکثریتی تفسیر سے ہٹ کر ہے اور ھیثم بن عدی نے بتایا ہے کہ ازد شنوءۃ کے لوگ مارزق فلان فلانا کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ ما شکرہ کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ موسمی اثرات کے توجیہی نظریات کی تردید میں نازل ہوئی ہے کیونکہ عرب بارش کو بعض توجیہی نظریات کے تابع بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں وجہ سے یعنی برج اسد کی وجہ سے یا برج جوزاء کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ اور انہیں فاعل (حقیقی) مستقل سمجھتے تھے تو اللہ نے تردید فرمائی کہ تم اس قول میں جھوٹے ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے ما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا (الجاثیۃ ۵)۔ مجاہد نے فرمایا ہے کہ اسمیں رزق سے مراد بارش ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم اپنی بارش کو موسمی اثرات کی توجیہات سے منسوب کرتے ہو تو اپنے اس قول میں جھوٹے ہو۔ جمہور نے تکذبون کو مصدر تکذیب سے پڑھا ہے جبکہ علی اور مفضل نے امام عاصم نے اسے مصدر کذب سے پڑھا ہے۔

(۸۳) **فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ** (ترجمہ:۔ بھلا جب روح گلے میں آ جاتی ہے) یعنی موت کے وقت جب سانس حلقوم میں پھنس جاتی ہے اسے ٹالتے کیوں نہیں۔ اور حلقوم کہتے ہیں ''آواز کی گذرگاہ'' کو۔

(۸۴) **وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ** (ترجمہ:۔ اور اس وقت تم) یہاں تنوین ''عوض'' کے لئے ہے۔ اذا کان کذا۔ اخفش نے کہا ہے کہ تنوین صرف کی ہے۔ **تَنْظُرُوْنَ** (ترجمہ:۔ دیکھتے رہتے ہو) زجاج نے کہا ہے کہ اے گھر والو جس شخص کی سانس نکل رہی ہوتی ہے تو تم دیکھ رہے ہوتے ہو لیکن تم لوگ اس کی شدت کی تخفیف اور ذرا بھی نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہو۔

(۸۵) **وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ** (ترجمہ:۔ اور ہم اس شخص (مرنے والے) سے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں) اپنے علم وقدرت کے ساتھ **وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ** (ترجمہ:۔ مگر تم دیکھتے نہیں ہو) اس شخص سے ہمارے قرب کو۔

(۸۶) **فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ** (ترجمہ:۔ پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو) فراء نے کہا غیر مدینین سے مراد ہے غیر مملوکین (غلام نہ ہوں) خود ان کے قول میں دنۃ (گھٹیا پن) یعنی ملکۃ (ملکیت) اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے قل فادروا عن انفسکم الموت ان کنتم صادقین (آل عمران ۱۶۸) یہ بھی ممکن ہے کہ کہا گیا ہو کہ ان الدین ھو الاطاعۃ (دین تو اطاعت کا نام ہے) جیسے کہ عمرو بن کلثوم نے کہا۔

و ایاماً لنا غرا طوالاً عصینا الملک فینا ان ندینا

یعنی ان نطیع (کہ ہم اطاعت کریں) اور معنی یہ ہیں اگر تم اطاعت گذار نہیں ہو تو۔

(۸۷) **تَرْجِعُوْنَهَآ** (ترجمہ:۔ لوٹا لو اس کو) یعنی جان کو جو حلقوم تک پہنچ چکی ہے۔ اس جگہ کی طرف جس میں وہ پہلے تھی **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** (ترجمہ:۔ اگر تم سچے ہو) کہ تم اطاعت گذار نہیں ہو اور غلام نہیں ہو۔

(۸۸) **فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ** (ترجمہ:۔ پس اگر وہ ہوگیا ہو) یعنی وہ جس کی جان نکل رہی ہو۔ **مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ** (ترجمہ:۔نزدیک والوں میں سے) یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں اور یہ مذکورہ تین اصناف میں سے ''سابقون'' ہیں۔

(۸۹) **فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ** (ترجمہ:۔راحت ہے اور روزی ہے) جمہور نے اسے ''ر'' کے زبر (وھو الراحة) سے پڑھا ہے۔اسے ''را'' پر پیش کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے (وھو الرُوح)۔حسن نے کہا ہے الروح ' رحمة ہے اس لئے کہ (حیاۃ) زندگی کی مثال ہے مرحوم کے لئے۔ مجاہد نے کہا الریحان سے مراد الرزق ہے اور ضحاک نے استراحت سے تعبیر کیا ہے۔ **وَّجَنَّةُ نَعِيۡمٍ** (ترجمہ:۔اور نعمت کے باغ ہیں) یعنی ایسا باغ جو خوش حالی و آسودگی کا مرقعہ ہو۔

(۹۰۔۹۱) **وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ** (ترجمہ:۔اور اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں ہو تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے (ہاتھ والوں کی طرف سے) یعنی متوفی وفات پانے والا) اللہ کے علم میں اگر (اصحاب الیمین) داہنے ہاتھ والوں میں سے ہو تو ان کے لئے کوئی غم وفکر نہیں ہے کیونکہ انہیں عذاب آخرت سے سلامتی عطاء کردی ہے۔

(۹۲) **وَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ** (ترجمہ:۔اور وہ جھٹلانے والوں میں سے ہو) یعنی اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخر کو جھٹلانے والا ہو۔ **الضَّآلِّيۡنَ** (ترجمہ:۔ بھٹکا ہوا) یعنی راہ ہدایت سے اور وہی اصحاب الشمال میں ہے۔

(۹۳) **فَنُزُلٌ** (ترجمہ:۔تو مہمانی ہے) یعنی آخرۃ میں اس کی پذیرائی ہے۔ **مِّنۡ حَمِيۡمٍ** (ترجمہ:۔کھولتے ہوے پانی کی) یعنی ایسا پانی جو حد درجہ کھولتا ہوا ہو۔

(۹۴) **وَّتَصۡلِيَةُ الۡجَحِيۡمِ** (ترجمہ:۔آگ میں بھونا ہوا) کہا جاتا ہے۔ اصلاہ النار وصلاہ جب کسی کو آگ میں ڈالدیا جائے تو معنی یہ ہوئے اسے آگ میں جھونکا جائے گا۔

(۹۵) **اِنَّ هٰذَا** (ترجمہ:۔ بے شک یہ بات) یعنی جو کچھ اس سورت میں ذکر کیا گیا۔ **لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ** (ترجمہ:۔وہی ہے لائق یقین) مبرد نے کہا یہ قول ایسے ہے جیسے آپ۔عین الیقین کا استعمال کرتے ہیں۔اور وہ خالص یقین ہے۔یہ کسی چیز کو اس کی ذات کی طرف نسبت کے قبیل میں کہتے ہیں۔ یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔اور بعض لوگوں نے کہا کہ اس کے معنی ہیں الحق الثابت من الیقین) یقین سے ثابت شدہ سچائی۔اہل بصرہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں یقینی امر کا حق ہونا اور اس میں مضاف محذوف ہے

(۹۶) **فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ** (ترجمہ:۔پس اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو سب سے بڑا ہے۔) مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو ہر رکعت کے رکوع میں پڑھو (یعنی رکوع کی تسبیح بنالو)۔